جزیہ وخراج: فقہ اسلامی کے تناظر میں خصوصی مطالعہ

ذوالفقار علی*

عصر حاضر میں دنیا کے کسی خطے میں اسلامی اصولوں کے مطابق ریاست کا وجود ناپید ہو چکا ہے۔ گذشتہ ادوار میں جہاں کہیں ایسی ریاست کا وجود رہا وہاں یہ ریاست مسلمانوں کے ساتھ ساتھ غیر مسلموں کے حقوق کی بھی محافظ بنی رہی ہے۔ تاریخ کی کسی کتاب میں اسلامی ریاست کی طرف سے غیر مسلم رعایا (اهل ذمہ) کے خلاف نہ کبھی ظالمانہ کاروائی ہوئی نہ انھیں شکایت کرنے کا موقع دیا گیا۔ البتہ دور حاضر کے چند مستشرقین ماضی کی اسلامی ریاستوں کے خلاف طرح طرح کے الزامات لگاتے رہتے ہیں اور بے بنیاد جھوٹا پروپیگنڈہ بھی کرتے ہیں۔ مثلاً جزیہ سے متعلق ان کا الزام یہ ہے کہ یہ غیر مسلموں کے ساتھ ناانصافی اور ظلم پر مبنی ٹیکس ہے جو مسلمانوں سے تو نہیں لیا جاتا مگر غیر مسلموں پر سزا کے طور پر نافذ کیا جاتا ہے۔ اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ آیا قرآن وسنت اور فقہ اسلامی میں جزیہ کی یہی حیثیت بیان کی گئی ہے یا اس کی کوئی اور حقیقت ومقصدیت بھی ہے؟ فقہاء کی آراء اس سے متعلق کیا ہیں؟ اس مقالہ میں قرآن وسنت کے علاوہ آثار صحابہؓ اور فقہ اسلامی سے فقہاء کی آراء معلوم کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

(الف) جزیہ

فقہ اسلامی کی اصطلاح میں جزیہ اس ٹیکس کو کہتے ہیں جو اسلامی ریاست غیر مسلم شہریوں کی جان ومال کی حفاظت کے بدلے میں ان سے وصول کرتی ہے۔(۱)

اور جو ٹیکس ان کے زیر قبضہ سرکاری زمینوں پر مقرر کیا جاتا ہے اسے خراج کہا جاتا ہے۔(۲) دنیا میں اسلامی ریاست کا اپنے شہریوں سے ٹیکس وصول کرنا کوئی انوکھا کام نہیں ہے۔ عوام سے ٹیکس وصولی کی تاریخ بڑی قدیم ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ دنیا میں ٹیکس کی وصولی کا نظام اسی وقت معرض وجود میں آ گیا تھا جب لوگوں نے پہلی بار کسی معاہدہ عمرانی کے تحت حکومت قائم کی تھی کیوں کہ ٹیکس کے بغیر کسی حکومت کا قائم رہنا اور مستحکم ہونا ناممکن ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب جزیرۃ العرب میں پہلی اسلامی ریاست قائم کی تو اس وقت عرب سے باہر ایران اور روم

* لیکچرار شعبہ علوم اسلامیہ، گورنمنٹ کالج سیٹلائٹ ٹاؤن راولپنڈی، پاکستان

جو دو بڑی سلطنتیں تھیں ان میں قدیم زمانے سے ہی اس طرح کے ٹیکس نافذ تھے۔عرب کے جن علاقوں پر ان کا حکم چلتا تھا اور عوام نے ان کی ماتحتی قبول کر رکھی تھی وہ اس قسم کے ٹیکسوں سے شناسا تھے۔ چنانچہ نجران کے عیسائیوں کا وفد جب مدینہ منورہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا تو انہوں نے عرض کیا کہ ہم مسلمان تو نہیں ہوتے البتہ آپ کی ماتحتی قبول کرتے ہیں اور اس کے عوض ہم پر جو جزیہ عائد کیا جائے گا اسے بخوشی ادا کریں گے۔(۳)

قرآنِ مجید میں جزیہ سے متعلق ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَلَا يُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَلَا يَدِيْنُوْنَ دِيْنَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ(۴)

''لڑو ان لوگوں سے جو ایمان نہیں لاتے اللہ پر اور نہ آخرت کے دن پر اور نہ حرام جانتے ہیں اس کو جس کو حرام کیا اللہ نے اور اس کے رسول نے اور نہ قبول کرتے ہیں دین سچا، ان لوگوں میں سے جو کہ اہلِ کتاب ہیں۔ یہاں تک کہ وہ جزیہ دیں اپنے ہاتھ سے مطیع ہو کر۔''

امام شافعیؒ (م۲۰۴ھ/۸۱۹ء) مفہوم بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:'' سَمِعْتُ عَدَدًا مِنْ أَهْلِ الْعِلْمِ يَقُوْلُوْنَ: اَلصَّغَارُ أَنْ يَجْرِىَ عَلَيْهِمْ حُكْمُ الْاِسْلَامِ"(۵) ''میں نے متعدد اہل علم سے وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ کا مطلب یہ سنا ہے کہ ان پر اسلامی حکومت کے قوانین جاری ہو جائیں۔'' یعنی ان کا گھمنڈ اور غرور ٹوٹ جائے اور خوشی سے اپنے ہاتھوں ٹیکس دینے پر راضی ہو جائیں تو ان پر جنگ مسلط نہ رہے گی بلکہ ان کا تحفظ مسلمانوں کا فرض بن جائے گا۔

جزیہ سے متعلق شریعت اسلامی کا یہ حکم صرف ان غیر مسلموں کے لیے ہے جو اسلامی ریاست کی سرپرستی قبول کرتے ہوئے اس کے شہری بن جاتے ہیں۔ چنانچہ صدرِ اول سے ہی اسلامی ریاست کا اسی پر عمل ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں نجران کے نصاریٰ اور ہجر کے مجوسیوں سے جزیہ لیا گیا جب کہ خلفائے راشدینؓ کے عہد میں صابیوں، اور خلفائے بنوامیہ و بنوعباس کے عہد میں سندھ کے ہندوؤں اور پیروان بدھ سے جزیہ لینا ثابت ہے۔(۶)

ابوبکر الجصاص (م370ھ/980ء)(۷) لکھتے ہیں:

''فغير جائز للإمام أن يقر أحداً من أهل سائر الأديان على الكفر غير جزية''(۸)

''امام کے لیے جائز نہیں کہ وہ اہل کفر میں سے کسی کو جزیہ کے بغیر رہنے دے۔''

لہٰذا اسلامی ریاست کا غیر مسلم اقلیتوں سے ان کے جان و مال کے تحفظ کے بدلے میں جزیہ لینا شرعی طور پر جائز اور درست اقدام ہے۔

۱- جزیہ کے لیے شرائط:

شریعت اسلامیہ کے عمومی احکام کی ادائیگی کے لیے مکلّف میں اہلیت اور استطاعت کا پایا جانا ضروری ہے اور اگر کسی شخص میں متعلقہ اہلیت نہ ہو تو وہ حکم شرعی کا مخاطب نہیں ہوتا۔ فقہائے کرامؒ جزیے کے وجوب کے لیے اہل ذمہ میں درج ذیل قسم کی شرائط کے پائے جانے کو ضروری قرار دیتے ہیں۔

i- مرد ہونا

جزیہ واجب ہونے کی پہلی شرط یہ ہے کہ غیر مسلم شہری مرد ہو کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے جزیہ صرف اس غیر مسلم شخص پر واجب فرمایا ہے جو کہ اہل قتال میں سے ہو۔

قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے :قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ الخ (۹) فقہا کے نزدیک آیتِ مبارکہ میں لفظ مقاتلہ باب مفاعلہ میں سے ہے اور باب مفاعلہ کی ایک خاصیت مشارکت ہوتی ہے یعنی دو شخصوں کا اس طرح مل کر کام کرنا کہ ایک کا فعل دوسرے پر واقع ہو رہا ہو۔ لہٰذا یہاں دونوں فریقوں کی طرف سے لڑائی کرنا ضروری ہے۔ جنگوں میں چوں کہ عام طور پر مرد شریک ہوتے ہیں اس لیے جزیہ بھی صرف اہل ذمہ کے مردوں پر ہی واجب ہوگا۔ (۱۰)

ii- بالغ ہونا

جزیے کے وجوب کے لیے دوسری شرط غیر مسلم شہری کا بالغ ہونا ہے۔ شریعت اسلامیہ نے مسلمانوں کی طرح اہل ذمہ کے صرف بالغ کو شرعی احکام کا مخاطب بنایا ہے۔ لہٰذا نابالغ ذمی اس حکم کا مکلّف نہ ہوگا۔ قاضی ابو یوسف لکھتے ہیں: ''انماتجب الجزیہ علی الرجال منھم۔ ''(۱۱) جزیہ اہل ذمہ کے مردوں پر واجب ہے۔

iii- عقل وشعور کا ہونا

جزیے کے وجوب کی ایک اور شرط غیر مسلم شہری کا صاحب عقل وشعور ہونا بھی ہے۔ اس لیے جزیہ صرف صاحب عقل ذمی پر ہی نافذ ہوگا اور جس میں عقل نہ پائی جائے گی اس پر جزیہ کا حکم لاگو نہ ہوگا۔ (۱۲)

جزیہ سے مستثنیٰ افراد

فقہ اسلامی کے ریاستی قانون میں غیر مسلموں کی کثیر تعداد ایسی بھی ہے جسے جزیے کی ادائیگی سے استثنائی حیثیت حاصل ہے۔ مثلاً:

i- بچے، فاتر العقل اور عورتیں

فقہ اسلامی کے مطابق بچے، فاتر العقل اور عورتیں چوں کہ عام طور پر جنگوں میں شریک نہیں ہوتے اور نہ

ہی کاروبار کر سکتے ہیں اس لیے یہ افراد جزیے ایسے ٹیکس سے مستثنیٰ ہوں گے۔

ابن قدامہ (م620ھ/1223ء) رقم طراز ہیں:

''ولاجزیة علی صبی ولازائل العقل ولاأمرأة''(۱۳)'' جزیہ نہ بچے پر ہے اور نہ فاتر العقل پر اور نہ ہی عورت پر۔''

فقہ اسلامی کے تناظر میں دیکھا جائے تو یہ فقہائے اربعہ کا مسلک ہے جس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔(۱۴)

ii- فقراء ومساکین (۱۵)

فقہاء جزیے کے حکم سے ان افراد بھی مستثنیٰ قرار دیتے ہیں جس کی آمدن ان کے اخراجات کی نسبت کم ہو یا بالکل ہی نہ ہو۔(۱۶)

قاضی ابو یوسف (م182ھ/798ء) لکھتے ہیں:

'' ولا تؤخذ الجزیة من المسکین الذی یتصدق علیه''(۱۷)'' جزیہ اس مسکین سے بھی نہ لیا جائے گا جس پر صدقہ کیا جا سکتا ہو۔

ابن قیم الجوزیہ (م751ھ/1350ء) لکھتے ہیں:

''ولاجزیة علی فقیر عاجز عن أدا ئھا: ھذا قول الجمھور ''(۱۸)''ایسے فقیر پر جزیہ نہیں ہے جو اسے ادا کرنے سے قاصر ہو، اور یہ جمہور کا قول ہے۔''

خلیفہ ثانی حضرت عمر فاروقؓ کا معروف واقعہ ہے کہ انھوں نے مدینے میں ایک بوڑھے یہودی کو بھیک مانگتے دیکھا تو پوچھا کہ تم بھیک کیوں مانگ رہے ہو؟ جواب میں اس نے عرض کیا کہ میرے پاس جزیے کے لیے پیسے نہیں ہیں اس لیے مانگ رہا ہوں۔ آپؓ نے اسی وقت اس کا جزیہ معاف کر کے بیت المال سے وظیفہ مقرر کر دیا۔(۱۹)

الغرض اسلامی ریاست میں ایسے فقرا و مساکین جزیے کے حکم سے مستثنیٰ ہوں گے جن کا کوئی ذریعہ آمدن نہ ہو۔ بلکہ ریاست ایسے افراد کے اخراجات پورا کرنے کے لیے ان کی مالی معاونت کرنے کی پابند ہے۔

iii- نابینا، دائمی مریض، اپاہج اور بوڑھا

فقہ اسلامی کے مطابق جزیے سے مستثنیٰ افراد میں وہ لوگ بھی شامل ہیں جو مادر زاد اندھے ہوں یا کسی بیماری یا بڑھاپے کی وجہ سے ان کی نظر جاتی رہی ہو اور مستقل آمدن کا کوئی ذریعہ بھی نہ رکھتے ہوں۔ اسی طرح دائمی

مریض ،اپاہج اور بوڑھے شخص کا معاملہ ہے ۔ چوں کہ ان افراد کا بھی معذورین میں شمار ہوتا ہے اس لیے ان پر بھی جزیہ واجب نہ ہوگا،البتہ اگر یہ خوش حال ہوں اورآسانی سے جزیہ دے سکتے ہوں تو پھر ان سے جزیہ وصول کیا جائے گا۔(۲۰)

iv- مذہبی پیشوا اور راہب

جزیے سے مستثنیٰ افراد میں وہ لوگ بھی شامل ہیں جو عام طور پر لوگوں سے میل ملاقات رکھنے کی بجائے ان سے دور عبادت گاہوں میں تنہا بیٹھے دن رات عبادت میں مصروف رہتے ہوں یا انہوں نے اپنے آپ کو مذہبی کاموں کے لیے وقف کر رکھا ہو۔ چوں کہ یہ لوگ کام کاج نہیں کرتے اس لیے فقہاء نے انہیں بھی جزیے ایسی تکلیف سے مستثنیٰ قرار دیا ہے۔ان میں پادری ،راہب، پنڈت، پروہت ایسے لوگ شامل ہیں۔البتہ اگر یہ لوگ مالی لحاظ سے خوش حال ہوں اور لوگوں سے میل ملاقات بھی رکھتے ہوں تو پھر ان سے جزیہ لیا جائے گا۔(۲۱)

جزیہ سے معافی کے اسباب

جزیے سے مذکورہ بالا استثنائی صورتوں کے علاوہ دیگر کئی ایسے اسباب اور موانع بھی ہیں جن کی وجہ سے غیر مسلم شہریوں سے جزیہ معاف ہوجاتا ہے۔جن میں سے چند حسب ذیل ہیں۔

i- قبول اسلام

فقہ اسلامی کے مطابق اگرکوئی غیر مسلم شہری اپنے ذوق وشوق اور مرضی سے اسلام قبول کرلے تو اس سے جزیہ معاف کردیا جائے گا۔ خواہ وہ کتنے ہی سالوں کا بقایا ہو۔ابن قیم رقمطراز ہیں:’’ومن أسلم سقطت عنه الجزية سواء أسلم في أثناء الحول أو بعده ولواجتمعت عليه جزية سنين ثم أسلم سقطت كلها‘‘ (۲۲)’’جو غیر مسلم اسلام قبول کرلے تو اس کا جزیہ معاف ہوجائے گا خواہ وہ دوران سال اسلام قبول کرے یا سال مکمل ہونے کے بعد اور اگر اس پر کئی سالوں کا جزیہ جمع ہو چکا ہو تو تب بھی قبول اسلام کے ساتھ ہی کالعدم ہوجائے گا۔‘‘اس کا سبب یہ ہے کہ یہ ٹیکس اللہ تعالیٰ نے صرف غیر مسلموں پر عائد کیا ہے۔ جب ایک شخص غیر مسلم نہ رہے تو اس پر عائد ہونے والا ٹیکس بھی نہ رہے گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:ليس على المسلمين جزية (۲۳)’’مسلمانوں پر جزیہ نہیں ہے۔‘‘لہذا قبول اسلام جزیہ کی ادائیگی کے موانع میں سے ہے۔

ii- وفات یا اسلامی ریاست سے فرار

اگر کسی غیر مسلم کی دوران سال یا اختتام پر وفات ہوجائے یا وہ اسلامی ریاست سے دشمن ریاست کی

طرف بھاگ جائے تو اس صورت میں بھی جزیہ کالعدم ہوجائے گا۔(۲۴) اس کا سبب یہ ہے کہ جزیہ چوں کہ غیر مسلم کی نفس ذات پر واجب ہے جب وہ ذات ہی نہ رہی تو اس پر عائد ہونے والا ٹیکس بھی باقی نہ رہے گا۔لہذا اس کے ورثاء سے جزیے کی ادائیگی کا مطالبہ نہ کیا جائے گا۔ یہاں قرآن مجید کا یہ اصول بھی لاگو ہوتا ہے کہ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی(۲۵)''اور بوجھ نہ اٹھائے گا ایک شخص دوسرے کا'' نیز اس معاملے میں عمر بن عبدالعزیزؒ (م101ھ/720ء) کا ایک قول ہے:''لیس علی من مات ولا من أبق جزیة یقول لا تؤخذمن ورثته بعد موته ،ولا یجعلها بمنزلة الدین، ولا تؤخذ من أهله إذا هرب عنهم منها، لأنهم لم یکونوا ضامنین لذلك''(۲۶)''ایسا غیر مسلم شہری جو فوت ہوجائے اور جو بھاگ جائے تو اس پر جزیہ نہ رہے گا۔آپ یہ بھی کہتے ہیں کہ غیر مسلم کی موت کے بعد اس کے ورثاء سے جزیہ نہ لیا جائے گا اور نہ اسے قرض کی مانند قرار دیا جائے گا(جس کی ادائیگی وراثت میں سے ادا کی جاتی ہے۔) اور نہ اس کے اہل وعیال سے لیا جائے گا جس وقت کہ وہ ان سے بھاگ جائے کیوں کہ وہ اس کے ضامن نہ تھے۔''

iii- تحفظ میں ناکامی:

جزیے سے معافی اور موانع کا ایک اور سبب غیر مسلم شہریوں کی جان و مال اور عزت و آبرو کے تحفظ میں ناکامی بھی ہے۔اگر کسی موقع پر ان کی جان و مال اور عزت و آبرو کو نقصان پہنچ جائے تو ریاست ان سے جزیہ لینے کی حق دار نہ ہوگی۔خالد بن ولیدؓ نے اہل حیرۃ سے معاہدہ کرتے وقت انہیں لکھ کر دیا تھا:''ان منعناکم فلنا الجزیة ، والافلا حتی نمنعکم''(۲۷)اگر ہم تمہارا دفاع کر سکے تو جزیہ لینا ہمارا حق ہوگا اگر نہیں تو نہیں، تاوقتیکہ ہم تمہارے تحفظ اور دفاع کے قابل ہوجائیں۔'' ابوعبیدہؓ کی گورنری کے زمانے میں شام کے بعض مفتوحہ علاقوں کو چھوڑنا پڑا تو آپ نے اپنے امراء کو(جو وہاں تعینات تھے)لکھا کہ جو کچھ تم نے اہل ذمہ سے جزیہ وخراج لیا ہے وہ انہیں واپس کردو اور ان سے کہو:''إنما رددناکم علیکم أموالکم لأنه قد بلغنا ما جمع لنامن الجموع وأنکم قد اشترطتم علینا أن نمنعکم و إنّا لا نقدر علی ذلك، وقد رددنا علیکم ماأخذنامنکم''(۲۸)''ہم تمہارے اموال(جزیہ وخراج) واپس کر رہے ہیں کیوں کہ ہمیں خبریں موصول ہو رہی ہیں کہ (رومیوں نے) ہمارے خلاف افواج اکٹھی کر رکھی ہیں اور تم نے ہمارے ساتھ اس بنیاد پر صلح کی تھی کہ ہم تمہارا دفاع کریں گے،اس وقت ہم دفاع سے قاصر ہیں۔اس لیے جو کچھ ہم نے تم سے لیا تھا واپس کر رہے ہیں۔''(۲۹) یہ وہی چیز ہے جسے بعد کے ادوار میں اسلامی ریاست کے بنیادی اصول وضوابط میں شمار کیا گیا اور فقہائے کرامؒ نے اس طرز عمل سے قاعدہ کلیہ اخذ کیا جسے حسب ذیل الفاظ میں روایت کیا جاتا ہے:''الجبایة بازاء الحمایة''(۳۰)یعنی ٹیکس کی وصولی تحفظ کے مقابلے

میں ہے۔

iv- ملکی دفاع:

جزیے کی معافی کا ایک اور سبب غیر مسلم شہریوں کا ملکی دفاع میں شریک ہونا بھی ہے۔ اس کی نظیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں مدینہ کے یہودیوں کے ساتھ طے پانے والے معاہدے ''میثاق مدینہ'' سے دی جا سکتی ہے۔ جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ریاست مدینہ کے دفاع میں اپنے ساتھ شریک کیا تھا جس کی وجہ سے ان پر کسی قسم کا ٹیکس (جزیہ) نہیں لگایا۔ لہٰذا اگر اسلامی ریاست ان سے رابطہ کرے یا وہ خود اپنے آپ کو دفاع ریاست کے لیے پیش کریں تو ان پر عائد جزیہ کالعدم ہو جائے گا۔

جزیہ کی ادائیگی کا وقت:

امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک غیر مسلم شہریوں پر جزیے کے وجوب کا وقت سال کا آغاز ہے کیوں کہ اس کے واجب ہونے کی وجہ سے مستقبل میں ان کے جان و مال کی حفاظت ہو سکے گی۔ لہٰذا سال کے آخر تک اسے مؤخر کرنا درست نہیں ہے۔ بلکہ ماہانہ قسط کے طور پر ان سے جزیہ کی وصولی کی جائے گی۔(۳۱) جبکہ امام احمد بن حنبلؒ (م241ھ/855ء) اور امام شافعیؒ (م204ھ/819ء) کہتے ہیں کہ جزیہ سال گزرنے پر واجب ہوگا۔(۳۲)

جزیہ کی مقدار کا تعین

فقہائے احناف کے نزدیک جزیے کی ایک مقدار تو وہ ہے جو غیر مسلم شہریوں سے صلح کے وقت طے کر لی جاتی ہے جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل نجران سے ایک ہزار دو سو کپڑوں کے جوڑوں پر صلح کے وقت طے کی تھی جب کہ اس کی دوسری مقدار وہ ہے جسے امام غیر مسلم شہریوں پر ان کی رضامندی کے بغیر عائد کرتا ہے۔ مثلاً امام غلبہ حاصل کرنے کے بعد انہیں ذمی بنائے اور ان کی زمینوں پر برقرار رکھے۔ جزیے کی اس قسم میں غیر مسلم شہریوں کو تین طبقوں میں تقسیم کیا جاتا ہے یعنی دولت مند، متوسط اور غریب وغیرہ۔ یہ ترتیب حضرت عمرؓ کے دور میں اختیار کی گئی تھی جس کے مطابق دولت مند پر اڑتالیس درھم، متوسط پر چوبیس درھم اور غریب پر بارہ درھم جزیہ عائد کیا گیا تھا۔(۳۳) قاضی ابو یوسفؒ کے بقول کرنسی اور کپڑے کا کاروبار کرنے والے کاریگر، تاجر، ڈاکٹر اور ہر وہ شخص جو صنعت و تجارت سے وابستہ ہو ان میں سے خوش حال کے لیے اڑتالیس درھم اور متوسط کے لیے چوبیس درہم جب کہ مزدور اور ہاتھوں سے کام کرنے والے افراد مثلاً درزی، رنگ ساز، موچی اور ان کی مانند دیگر شعبوں سے وابستہ افراد کے لیے بارہ درہم ہیں۔(۳۴) امام شافعیؒ (م204ھ/819ء) کے نزدیک غیر مسلم شہریوں کے ہر امیر اور غریب سے ایک دینار سالانہ جزیہ لینا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل سے ثابت ہے۔ جیسا کہ آپؐ نے

اہل یمن سے ایک دینار یا اس کی قیمت کے برابر کپڑا لیا تھا۔ایسے ہی آپؐ نے اہل ایلہ اور مکہ مکرمہ کے نصرانیوں سے ایک دینار فی کس کے حساب سے جزیہ لیا تھا۔(۳۵)ان کے نزدیک غیر مسلم شہریوں کو تین طبقات میں تقسیم کر کے ان سے جزیہ وصول کرنا حضرت عمرؓ کا فعل ہے۔ جسے ترک کر کے سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر عمل پیرا ہونا بہتر ہے۔(۳۶)جمہور فقہاء کے نزدیک حضرت عمرؓ کے اجتہاد پر عمل کرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے خلاف عمل نہیں ہے بلکہ یہ بھی سنت ہی ہے(۳۷)ان فقہاء کے نزدیک اصل معاملہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں جزیہ غیر مسلم شہریوں کو ایک ہی طبقہ شمار کر کے عائد کیا گیا تھا۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے بعد جب صحابہ کرامؓ دور دراز علاقوں میں پہنچے تو انہیں غیر مسلم شہریوں کے مختلف طبقات کا علم ہوا جس کی وجہ سے ان کے تین طبقات بنائے گئے اور ہر طبقے سے اس کی مالی حیثیت اور استطاعت کے مطابق جزیہ وصول کیا گیا اور یہی فیصلہ شریعت اسلامی کی منشا کے عین مطابق ہے۔

جزیہ میں اشیاء کی وصولی:

غیر مسلم شہریوں سے جزیے کی مد میں ضروری نہیں ہے کہ نقدی ہی وصول کی جائے بلکہ اس سلسلے میں ان کی سہولت کو دیکھا جائے گا،اگر وہ باہمی رضامندی سے متعین کردہ رقم کی بجائے اسی قیمت کی کوئی چیز دینا چاہیں تو اسلامی ریاست اسے قبول کرلے گی۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدینؓ کے زمانے میں یہ طریق کار جاری تھا کہ اگر غیر مسلم شہری دینار(سونے کے سکے)یا درہم(چاندی کے سکے)کی بجائے کوئی اور چیز پیش کرتے تو وہ قبول کر لی جاتی تھی۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق روایت ہے کہ جب آپؐ نے معاذ بن جبلؓ کو یمن بھیجا تو انہیں حکم دیا کہ(أن يأخذ كل حالم ديناراً أوعدله معافير)(۳۸)''وہ غیر مسلم شہریوں کے ہر بالغ شخص سے ایک دینار یا اس کی قیمت کے برابر معافیر(یمنی کپڑا)جزیہ کی مد میں وصول کریں۔''اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل نجران سے صلح کے وقت یہ طے کیا تھا کہ جزیہ میں ان سے سونے چاندی کی بجائے کپڑا اور اسلحہ وصول کیا جائے گا۔ابن عباسؓ سے روایت ہے:

صالح رسول الله صلى الله عليه وسلّم أهل نجران الفيي حلة، النصف فى الصفر و البقية فى الرجب، يؤدونها إلى المسلمين و عارية ثلاثين فرساً و ثلاثين بعيراً و ثلاثين من كل صنف من أصناف السلاح يغزون بها و المسلمون ضامنون لها حتى يردوها عليهم(۳۹)

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل نجران سے اس بات پر صلح کی کہ وہ مسلمانوں کو

(ہر سال) دو ہزار حلے (۴۰) دیا کریں گے۔ نصف صفر میں اور بقیہ نصف رجب میں، نیز عاریۃ ۳۰ عدد، زرہیں، ۳۰ عدد، گھوڑے، ۳۰ عدد اونٹ اور ۳۰ عدد اسلحے کی ہر قسم سے ۳۰ عدد جو جنگ میں کام آسکتا ہو، دیں گے، مسلمان ان کی واپسی تک ضامن ہوں گے۔"

حضرت عمرؓ نے اپنے دور خلافت (13ھ/634ء تا 23ھ/644ء) میں غیر مسلموں سے جزیے میں اونٹ لیے تھے۔ (۴۱) اسی طرح حضرت علیؓ نے اپنے زمانے (36ھ/656ء یا 40ھ/661ء) میں ہر صنعت و حرفت والے سے اس کی بنائی ہوئی چیز وصول کی جیسے سوئی بنانے سے سوئی، مسان بنانے والے سے مسان (۴۲) اور رسی والے سے رسی۔" (۴۳) شریعت نے جزیے کی مقدار کی طرح اس کی جنس کو بھی متعین کرنے سے گریز کیا ہے تاکہ وقت کا امام حالات و زمانہ کی تبدیلی کے ساتھ ساتھ ان میں کمی بیشی کر سکیں۔

حرام اشیاء کی وصولی کی ممانعت:

غیر مسلم شہریوں سے اشیاء کی صورت میں جزیہ لیتے وقت ایک سوال یہ بھی پیدا ہوتا ہے کہ آیا ان سے شراب اور خنزیر ایسی چیزیں بھی وصول کی جاسکتی ہیں یا نہیں؟ امام احمد بن حنبلؒ (م 241ھ/855ء) کی رائے ہے کہ انہیں قبول کیا جاسکتا ہے۔ (۴۴) جب کہ دیگر ائمہ کے نزدیک ان چیزوں میں جزیہ قبول کرنا درست نہیں ہے کیوں کہ یہ چیزیں مسلمانوں کے لیے حرام قرار دی گئی ہیں۔ نیز یہ مسلمانوں کے حق میں مال بھی نہیں ہیں جنہیں وہ فروخت کر سکیں لہذا ان چیزوں کا جزیے میں وصول نہ کرنا ہی بہتر ہے۔ (۴۵) روایت ہے کہ حضرت عمرؓ کے دور خلافت میں بعض عمال حکومت نے غیر مسلم شہریوں سے ایسی ہی بعض چیزیں وصول کیں تو آپؓ نے انہیں روک دیا اور حکم جاری کیا کہ یہ چیزیں انہیں واپس کر دو اور ان کی قیمت وصول کر لو۔" (۴۶) اس لیے ان سے جزیہ میں وہی چیز قبول کی جائے گی جو مسلمانوں کے حق میں مال کا درجہ رکھتی ہو، اگر ایسی چیز نہ ہو تو اسے قبول نہ کیا جائے گا۔

جزیے کی وصولی میں سختی سے اجتناب

جزیے کی وصولی کے وقت اہل ذمہ کو ناجائز طور پر تنگ کرنا، ان پر تشدد کرنا یا کوئی اور ایسا طریقہ اختیار کرنا جس میں ان کی توہین کا پہلو نکلتا ہو درست نہیں ہے۔ شریعتِ اسلامیہ نے ان سے نرمی کا برتاؤ کرنے اور ان پر ایسا بار ڈالنے سے منع کیا ہے جسے وہ اٹھا نہ سکیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ألا من ظلم معاهداً أو كلفه فوق طاقته ، أو انتقصه أو أخذ منه شيئاً بغير طيب نفسه فأنا حجيجه يوم القيامة (۴۷) "خبردار جو کسی غیر

مسلم پر ظلم کیایا اس کا نقصان کیایا اس کی طاقت سے بڑھ کر اسے تکلیف پہنچائی یا اس کی دلی رضامندی کے بغیر اس سے کوئی چیز لی تو قیامت کے دن میں ایسے شخص سے جھگڑا کروں گا۔‘‘روایت ہے کہ حضرت عمرؓ شام کے سفر سے واپس آرہے تھے کہ راستے میں آپ نے دیکھا کہ ایک عامل نے بعض ذمیوں کے سروں پر تیل لگا کر انہیں تیز دھوپ میں کھڑا کر رکھا ہے۔آپؓ نے اس سے پوچھا کہ انہیں یہ سزا کیوں دی جا رہی ہے؟ بتایا گیا کہ یہ جزیہ نہیں دیتے۔آپؓ نے وجہ پوچھی تو انہوں نے جواباً عرض کیا کہ ہمارے پاس جزیے کے لیے پیسے نہیں تھے پھر آپؓ نے عامل کو مخاطب کرتے ہوئے کہا:’’فدعوهم ولا تكلفوهم مالا يطيقون‘‘ انہیں چھوڑ دو اور آئندہ انہیں ایسی تکلیف مت دینا جس کی یہ طاقت نہ رکھتے ہوں۔‘‘ ساتھ ہی آپ نے عامل کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان سنایا کہ(لاتعذبوا الناس، فان الذين يعذبون الناس في الدنيا يعذبهم الله يوم القيامة)(۴۸)’’ لوگوں کو بلاوجہ سزا مت دو، کیوں کہ وہ لوگ جو دنیا میں لوگوں کو بلاوجہ سزائیں دیتے پھرتے ہیں قیامت کے دن اللہ تعالیٰ بھی انہیں ایسے ہی سزائیں دیں گے۔‘‘ قاضی ابو یوسف لکھتے ہیں:ولا يضرب أحد من أهل الجزية في استيدائهم الجزية، ولا يقاموا في الشمس ولا غيرها، ولا يحمل عليهم في أبدانهم شيء من المكاره ولكن يرفق بهم ’’(۴۹) ’’جزیہ کی وصولی کے وقت کسی غیر مسلم شہری کو مارا نہ جائے نہ انہیں دھوپ میں کھڑا کیا جائے، نہ ان کے اوپر کوئی ایسا بوجھ ڈالا جائے جسے برداشت نہ کر سکیں، بلکہ ان کے ساتھ نرمی اختیار کی جائے۔

الغرض فقہ اسلامی کے ملکی قانون میں غیر مسلم شہریوں کو بہت زیادہ چھوٹ دی گئی ہے۔جزیے کی مد میں ان پر کوئی دوسرا ٹیکس نہیں ہے ان کے پاس اونٹ، گائے اور بکریاں جتنی بھی تعداد میں ہو جائیں ان پر کسی قسم کا ٹیکس نہیں ہے۔(۵۰)

(ب)خراج کا نفاذ:

اسلامی ریاست میں جزیے کے علاوہ اہل ذمہ پر جو دوسرا ٹیکس نافذ ہوتا ہے اسے خراج کہتے ہیں۔یہ ٹیکس ان کے زیر قبضہ ریاستی زمینوں پر عائد کیا جاتا ہے۔

خراج کی اقسام

فقہاء کے نزدیک خراج کی دو اقسام ہیں۔(۵۱)

(i) خراج مقاسمہ:اس سے مراد وہ ٹیکس ہے جو زمین کی پیداوار کی نسبت سے مقرر کیا جاتا ہے یعنی ربع، خمس یا نصف وغیرہ۔

(ii) خراج مؤظف:اس سے مراد وہ ٹیکس ہے جو زمین کے رقبے کی نسبت سے مقرر کیا جاتا ہے جیسے حضرت عمرؓ

نے اپنے زمانے میں سوادِ عراق کی زمینوں پر مقرر کیا تھا۔

عشری اور خراجی زمینوں کی اقسام

فقہ اسلامی میں فقہا اسلامی ریاست کی زمینوں کو چار اقسام میں تقسیم کرتے ہیں۔ (۵۲)

(i) وہ زمین جس کے باشندے اسلام قبول کرلیں خواہ وہ زمین عرب کی حدود میں ہو یا عجم کی، وہ ان ہی لوگوں کی ملکیت قرار دی جائے گی اور وہ زمین مدینہ اور یمن کی زمینوں کی طرح عشری ہوگی۔

(ii) وہ زمین جس کے باشندوں سے جزیہ قبول نہ کیا جائے۔ عرب کے مشرکین کی طرح ان سے اسلام کے علاوہ اور بھی کوئی چیز قبول نہ کی جائے تو غلبہ کے بعد وہ زمین بھی عشری ہوگی۔

(iii) عجم کا ہر وہ علاقہ جس پر مسلمانوں کو غلبہ حاصل ہو اور زمین سابقہ باشندوں کے قبضے میں ہی رہنے دی جائے تو وہ زمین خراجی ہوگی اور اگر وہ غانمین کے درمیان تقسیم کردی جائے تو وہ عشری بن جائے گی۔

(iv) عجم کی ہر وہ زمین جس کے باشندے مصالحت کرلیں اور ذمی بن جائیں تو وہ زمین خراجی ہوگی۔ (۵۳)

خراج کی مقدار کا تعین

فقہاء کے نزدیک خراج کی مقدار کا تعین زمین کی صلاحیت پر منحصر ہے۔ جیسے حضرت عمرؓ نے عراق کے بعض حصوں پر فی جریب ایک قفیر اور ایک درہم خراج مقرر کیا تھا۔ انھوں نے اس معاملے میں کسریٰ بن قباد کی رائے کو اختیار کیا تھا جس نے سب سے پہلے اس علاقے کی زمینوں کی پیائش اور حد بندی کروانے کے بعد ان پر خراج عائد کیا اور سرکاری رجسٹر وغیرہ ایجاد کیے اور زمین سے متعلق ایسے امور کا لحاظ کیا جن سے زمین دار اور کاشت کار دونوں کو نقصان نہ پہنچے۔ اس نے یہاں فی جریب ایک قفیر اور ایک درہم مقرر کیا تھا۔ قفیر کا وزن اس وقت آٹھ رطل تھا جس کی قیمت بہ وزن مثقال تین درہم بنتی تھی جو کہ دور جاہلیت سے عربوں میں مشہور ومعروف تھی۔ (۵۴) بعض دوسرے علاقوں میں مقدار مذکورہ کے علاوہ ایک اور نسبت سے بھی خراج کا تعین کیا گیا چنانچہ حضرت عمرؓ نے عثمان بن حنیفؓ کو سواد کے علاقوں کا عامل بنا کر بھیجا تو انہوں نے زمین کی پیائش کے بعد زمین کے رقبے اور حیثیت کے پیشِ نظر حسبِ ذیل شرح سے خراج مقرر کیا تھا۔

i	انگور	فی جریب :	دس درہم
ii	کھجور	فی جریب:	آٹھ درہم
iii	گنا	فی جریب:	چھ درہم
iv	سبزیاں	فی جریب:	پانچ درہم

v   گندم   فی جریب: چار درہم

vi   جَو   فی جریب: دو درہم (۵۵)

خراج کی شرحِ مذکور اگر چہ عہد صحابہؓ میں متعین کی گئی تھی اور اس پر کسی صحابیؓ نے اختلاف نہیں کیا اور اجماع صحابہؓ ہوگیا لیکن یہ بات بڑی واضح ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اس شرح کا تعین پیداوار پر اٹھنے والے اخراجات اور محنت کی بنیاد پر طے کیا تھا۔ اس لیے دور حاضر میں خراج کے تعین کے لیے اسی چیز کو بنیاد بنایا جائے تو مناسب معلوم ہوتا ہے نہ کہ شرح مذکور کو۔

خراج کی مقدار میں کمی کا جواز:

فقہاء کے نزدیک خراج کا تعین چوں کہ ایک اجتہادی مسئلہ ہے اس لیے ان کی مقدار میں کمی یا اضافہ کرنا جائز ہے جیسے خراج مؤظف میں زمین کی صلاحیت کو دیکھ کر خراج متعین کیا جاتا ہے جو کہ دنیا میں یکساں صلاحیت اور اہمیت کی حامل نہیں ہے۔ حضرت عمرؓ سے متعلق روایت ہے کہ انھوں نے عراق کی زمینوں پر جو خراج مقرر کیا تھا اسی شرح سے شام کی زمینوں پر مقرر نہیں کیا۔ کیوں کہ شام کی زمینوں میں سوادعراق ایسی صلاحیت نہ تھی۔ اس لیے امام کو خراج کے تعین کے وقت ان چیزوں کا دھیان رکھنا چاہیے۔ عام طور پر تین وجوہات کی بنا پر زمین کے خراج میں کمی بیشی کی جاتی ہے:

i   زمین عمدہ ہو اور پیداوار خوب دیتی ہو یا زمین بے کار ہو اور پیداوار نہ دیتی ہو۔

ii   زمین میں مختلف اجناس کی کاشت ہو کسی کی قیمت اچھی اٹھے اور کسی کی کم۔

iii   ذرائع آب پاشی میں فرق ہو یعنی بارش سے سیراب ہوتی ہو یا رہٹ سے۔

بعض علما نے ایک چوتھی صورت کا بھی ذکر کیا ہے اور وہ یہ ہے کہ زمین شہر سے دور ہو یا قریب تو اس کا لحاظ بھی کیا جائے گا۔(۵٦)

قاضی ابو یوسفؒ (م 182ھ/798ء) کے نزدیک خراج میں اضافہ جائز نہیں ہے کیوں کہ حضرت عمرؓ نے ایسا نہیں کیا۔ حالاں کہ انھیں بتادیا گیا تھا کہ زمین میں مقرر کردہ خراج سے زیادہ پیداوار کی طاقت موجود ہے۔(۵۷) الشیبانی (م189ھ/805ء) کے نزدیک اناج کی پیداوار زیادہ ہونے کی صورت میں اضافہ ایسے ہی جائز ہے جیسے نقصان کی صورت میں کمی جائز ہے۔(۵۸) الماوردی (م450ھ/1058ء) کے نزدیک زمین کی انتہائی حیثیت اور وسعت پر خراج نہ لگایا جائے بلکہ جتنا ممکن ہو خراج کے تعین میں نرمی اختیار کرنی چاہیے تاکہ کاشت کاروں کو مختلف حالات و حادثات کے وقت مشکلات کا سامنا نہ کرنا پڑے اور ان کے اخراجات بسہولت

پورے ہوتے رہیں۔

خراج میں چھوٹ کا جواز:

خراج اگرچہ غیر مسلم شہریوں پر ایک زرعی ٹیکس ہے جس کا ادا کرنا ان پر ضروری ہے لیکن یہ ادائیگی اسی وقت ممکن ہوسکتی ہے جب زمین پیداوار دے۔ اگر زمین سے پیداوار نہ ہو تو خراج بھی نہ ہوگا۔ ٹیکس ایسی ادائیگیوں سے متعلق السرخسی (م ۴۹۰ھ/ 1097ء) کی رائے ہے کہ:" ان الوجوب الأداء باعتبار القدرة الميسرة"(۵۹)" واجب الادا ٹیکس کا اعتبار قدرت میسرہ پر ہے۔"یعنی اگر خراجی زمین پر پانی چڑھ آئے یا پانی کا سلسلہ منقطع ہوجائے یا کسی آفت کی وجہ سے پیداوار ضائع ہوجائے تو ان صورتوں میں خراج وصول نہ کیا جائے گا کیوں کہ زراعت سے نفع حاصل کرنا ممکن نہ رہا اور خراج کی ادائیگی میں دقت آگئی اور قدرت میسرہ جاتی رہی۔(۶۰) البتہ اگر فصل کو جزدی نقصان پہنچے تو ٹیکس میں بھی اسی قدر کمی کی جائے گی کیوں کہ" الخراج بقدر الطاقة"(۶۱) خراج بقدر طاقت ہوتا ہے۔ یہ بات بھی پیش نظر رہے کہ زرعی ٹیکس میں چھوٹ صرف ایسی صورت میں ممکن ہے کہ جب فصل کے نقصان میں ٹیکس ادا کرنے والے شخص کا ذاتی عمل دخل کارفرما نہ ہو اگر اس کے ذاتی عمل کی وجہ سے فصل کو نقصان پہنچے یا پیداوار کم ہو تو پھر ایسی چھوٹ ہرگز نہ دی جائے گی اور اگر کوئی شخص آسانی کے ساتھ خراج دے سکتا ہو مگر ٹال مٹول سے کام لے اور بروقت ادائیگی نہ کرے تو اسے قید بھی کیا جاسکتا ہے اور درّے بھی لگائے جاسکتے ہیں۔(۶۲)

شرعی پیمانے اور اوزان:

صدر اسلام اور صحابہؓ و تابعینؒ کے زمانے میں مسلمانوں اور غیر مسلموں کے درمیان تجارتی معاملات کے علاوہ خراج کی وصولی کے لیے جو پیمانے اور اوزان مستعمل رہے ان کا مختصراً تذکرہ درج ذیل ہے:

i شرعی پیمانے

(الف) جریب: یہ پیمانہ فصل اور زمین کی پیمائش کے لیے استعمال ہوتا تھا۔ رقبے کے اعتبار سے 10 قصبات کے برابر جگہ کو جریب کہتے ہیں۔ دور حاضر میں یہ پیمائش 1366.0416 مربع میٹر کے برابر بنتی ہے۔

(ب) قصبہ: یہ جریب سے چھوٹا پیمانہ ہے جو 6 ذراع (ہاتھ) کے برابر ہوتا تھا۔ موجودہ دور کے حساب سے 13.660416 مربع میٹر جگہ کو ایک قصبہ کہتے ہیں۔

(ج) ذراع عامہ: قصبہ سے چھوٹا پیمانہ جو تقریباً 6 قبضہ (مٹھی) کے برابر ہوتا ہے۔ موجودہ حساب سے 42.2 سینٹی میٹر بنتا ہے۔(۶۳)

قدیم دور میں ذراع میں اکثر اختلاف رہا جس میں دور کے ساتھ ساتھ کمی بیشی ہوتی رہی اس دور میں حسب ذیل سات قسم کے ذراع کے نام ملتے ہیں جو لوگوں کے درمیان مستعمل رہے۔(۶۴)

i۔ عمریہ

یہ ذراع حضرت عمرؓ (م 23ھ/ 644ء) کی ایجاد ہے۔سوادعراق کی زمینوں کی پیائش اس سے کی گئی تھی۔ موسیٰ بن طلحہؒ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عمرؓ کا ذراع دیکھا ہے وہ ایک ہاتھ ،ایک مٹھی اور ایک کھڑے انگوٹھے کی مقدار کے برابر تھا۔حکم بن عیینہ کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے اپنے زمانے میں تین مروجہ ذراع (سب سے بڑا، سب سے چھوٹا اور متواسطہ) کو منگوایا اور تینوں کو ایک ساتھ ملایا اور ان کے مجموعے کا ثلث (ساڑھے تین حصہ) لے کر اس پر ایک مٹھی اور ایک انگوٹھا زیادہ کیا اور اس کے دونوں اطراف پر مہریں لگائیں اور عثمان بن حنیفؓ کے پاس عراق بھیج دیا۔انھوں نے سواد کی زمینوں کی پیائش اسی سے کی۔(۶۵)

ii قاضیہ

اس ذراع کو قاضی ابن ابی لیلیٰ (م148ھ/ 765ء) نے ایجاد کیا تھا۔ باشندگان کلوازی اپنے معاملات اس سے طے کرتے تھے۔

iii ہاشمیہ صغریٰ/ بلالیہ

اس ذراع کو بلالیہ بھی کہتے ہیں کیوں کہ بلال بن ابی بردہ نے اسے ایجاد کیا تھا۔ایک قول کے مطابق یہ ذراع ان کے دادا ابوموسیٰ اشعریؓ کی ایجاد ہے۔ یہ ذراع سواد سے ساڑھے تین انگشت اور زیادیہ سے 3/40 حصہ کم ہے۔کوفہ اور بصرہ میں یہ مستعمل رہا ہے۔

iv ہاشمیہ کبریٰ/زیادیہ

اسے شاہی ذراع بھی کہتے ہیں۔سب سے پہلے منصورؒ(م158ھ/ 775ء) نے اسے ہاشمیہ سے نسبت دی تھی۔ یہ ذراع سواد سے 5.2/3انگشت بڑا ہے اور ہاشمیہ صغریٰ سے 3/40 حصہ کم ہے۔اسے زیادیہ اس لیے کہتے ہیں کہ زیاد نے ارض سواد کی پیائش اس سے کی تھی۔اہل ہواز کے ہاں یہ مستعمل رہا ہے۔

v یوسفیہ

اس ذراع کو قاضی ابو یوسفؒ (م182ھ/ 798ء) نے ایجاد کیا تھا۔ بغداد کے قاضی مکانات کی پیائش وغیرہ اسی سے کرتے تھے۔

vi سودا

اس ذراع کو ہارون الرشید (م193ھ/809ء) نے اپنے سیاہ فام خادم کے ہاتھ سے ناپ کر ایجاد کیا تھا۔ یہ ذراع لوگوں کے درمیان تجارتی معاملات، کپڑوں اور مکانات کی پیمائش میں مستعمل تھا۔ دریائے نیل کی پیمائش بھی اسی سے کی گئی تھی۔

vii میزانیہ

اس ذراع کو مامون الرشید (218ھ/833ء) نے ایجاد کیا تھا۔ یہ ذراع سوداء سے 2/3 ذراع اور 2/3 انگشت بڑا تھا۔ لوگ اس سے مسافت برید(٦٦) مکانات ،بازار، نہروں اور گڑھوں کی پیمائش کرتے تھے۔(٦٧)

ii شرعی اوزان کے سکے:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کے زمانے (01ھ/622ء تا 13ھ/634ء) میں مالی معاملات میں وہی سکے چلتے رہے جو زمانہ جاہلیت میں رائج تھے۔ حضرت عمرؓ کے ابتدائی زمانے میں جو سکے پائے جاتے تھے وہ درج ذیل اوزان کے تھے۔

الف۔ بغلی درھم: 8 دانق = 3.968 گرام

ب۔ طبری درہم: 4 دانق = 1.984 گرام

ج۔ مغربی درہم: 3 دانق = 1.488 گرام

د۔ یمنی درہم: 1 دانق = 0.496 گرام

حضرت عمرؓ نے اپنے زمانے (13ھ/634ء تا 23ھ/644ء) میں بغلی اور طبری دارہم کو جمع کرنے کے بعد اس کے نصف 6 دانق کو ضرب کرایا تھا۔ اس طرح اسلامی درہم 6 دانق کا قرار پایا۔ ایک اور روایت کے مطابق عہد فارس میں تین قسم کے درہم مضروب ہوتے تھے۔ یعنی ایک مثقال کے وزن پر 20 قیراط کا، دوسرا 12 قیراط کا اور تیسرا 10 قیرط کا۔ عہد بنوامیہ (41ھ/661ء تا 132ھ/750ء) میں ان تینوں کے مجموعے یعنی 42 قیراط سے تیسرا حصہ 14 قیراط (٦٨) لے کر درہم ضرب کرائے گئے تھے جن پر پوری امت مسلمہ کا اجماع نقل کیا جاتا ہے۔(٦٩) اس دور میں حسب ذیل اوزان کے سکے پائے جاتے تھے۔(٧٠)

الف۔ 1 درہم: 6 دانق = 2.976 گرام

ب۔ 1 دانق: 8 حبات = 496. گرام

ج۔ 1 مثقال: 72 حبات = 4.464 گرام

د۔ 10 درہم: 7 مثقال = 29.76 گرام

ھ۔ 10 مثقال: 14.3/10 درہم = 42.5142 گرام

و۔ 1 دینار: 72 حبات = 4.25 گرام

ز۔ 1 حبہ: 6 خردلات = 0.062 گرام (۷۱)

اسلامی سکوں کے ضرب کرانے سے متعلق روایت ہے کہ یہ عبدالملک بن مروان (م85ھ/704ء) کے حکم سے حجاج بن یوسف (م95ھ/714ء) نے 714ھ/694ء یا 75ھ/695ء عراق میں ضرب کرائے تھے۔ اس کے بعد 76ھ/696ء میں دوبارہ ضرب کرائے گئے۔ حجاج کے بعد یزید بن عبدالملک (م105ھ/724ء) کے عہد میں عمر بن ہبیرہ یہاں کا والی ہوا تو اس نے پہلے سے زیادہ کھرے سکے ضرب کرائے۔ اس کے بعد خالد بن عبداللہ قسری اور یوسف بن عمرو نے مزید خالص سکے ضرب کرائے۔ اسی وجہ سے ہبیرہ، خالدیہ، یوسفیہ، عہد بنوامیہ کے خالص ترین سکے شمار ہوتے تھے۔ عباسیوں کے ابتدائی دور میں منصور (م158ھ/755ء) ان ہی سکوں میں غیر مسلم شہریوں سے خراج وصول کرتا تھا۔(۷۲)

iii شرعی ماپ تول:

عہد اسلامی کے ابتدائی دور میں خراج وعشر اور دیگر اشیا کے ماپ تول کے لیے جو پیمانے مستعمل رہے۔ احناف کے نزدیک ان کے شرعی اوزان حسب ذیل تھے۔(۷۳)

	نام پیمانہ	صاع	ٹھوس اشیاء گرام	مائع اشیاء لیٹر
الف۔	مد	1/4	815.39	1.032
ب۔	صاع	-	3261.5	3.362
ج۔	قفیز	12	39138	40.344
د۔	اردب	24	78276	80.288
ھ۔	جریب	48	156552	161.376
و۔	وسق	60	192690	201.72

خراج مقاسمہ میں ضروری نہیں ہے کہ اوزان مذکورہ ہی کے تحت غیر مسلم شہریوں سے معاملات طے کیے جائیں بلکہ جس علاقے میں جو اوزان معروف ہوں اور ان ہی کے تحت معاملات طے پا جائیں تو وہ اوزان شرعی قرار

پائیں گے۔ جیسا کہ عثمان بن حنیفؓ سے متعلق روایت ہے کہ انہوں نے اہل سواد کے لیے جس قفیر (پیمانے) کو تجویز کیا تھا اسے شابرقان کہتے تھے۔ حضرت عمرؓ کے پاس جب اس قفیز کو منظوری (Approval) کے لیے بھیجا گیا تو آپؓ نے اس کی منظوری دے دی۔ (۷۴)

خلاصہ بحث:

۱۔ مذکورہ بالا بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ غیر مسلم جزیہ وخراج کی ادائیگی کے بعد اسلامی ریاست کے مستقل شہری بن جاتے تھے۔ جس میں انہیں وہ تمام حقوق حاصل ہوتے تھے جو عام مسلمانوں کو حاصل ہوتے تھے۔

۲۔ اس بحث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جزیہ وخراج غیر مسلموں پر کسی قسم کا ناروا بوجھ نہ تھا اور نہ ہی یہ ان پر ظلم کے مترادف تھا۔ مسلمانوں پر تو زکوٰۃ وعشر کی ادائیگی کے ساتھ ساتھ فوجی خدمات لازمی ہوتی تھیں مگر غیر مسلم اس سے مستثنیٰ قرار دیئے جاتے تھے۔

۳۔ جزیہ ہر کسی غیر مسلم پر نہیں تھا بلکہ یہ ان کے صرف عاقل و بالغ اور کمائی کرنے والے مردوں پر عائد کیا جاتا تھا۔ عورتیں، بچے، بوڑھے، معذورین اور مذہبی پیشواء اس سے مستثنیٰ ہوتے تھے۔

۴۔ خراج بھی صرف ان ہی لوگوں سے لیا جاتا تھا جن کے زیر قبضہ قابل کاشت زمینیں ہوتی تھیں۔

۵۔ شریعت نے مسلمانوں کو غیر مسلم شہریوں کے ساتھ نرمی سے پیش آنے کا حکم دیا ہے۔ جس کے تحت کئی موقعوں پر انہیں جزیہ وخراج ایسے ٹیکسوں میں چھوٹ مل جاتی تھی۔

حوالہ جات وحواشی

(۱) الراغب الاصفہانی، المفردات فی غریب القرآن،ص93؛ المناوی،محمد بن عبدالرؤف(م1031ھ/1122ء) دارالفکر، بیروت(1410ھ/1990ء)ص243

(۲) قلعہ جی، محمد رواس و حامد صادق قنیبی'' معجم لغۃ الفقہاء''(عربی،انگریزی) ادارۃ القرآن و العلوم الاسلامیۃ،کراچی،(س۔ن)ص 94

(۳) ابو یوسف،یعقوب بن ابراہیم الانصاری(م182ھ/798ء)''کتاب الخراج''تحقیق:محمد ابراہیم البنا،مکتبہ فاروقیہ، پشاور، 1981ء،ص157و مابعد؛ ابن قیم ،محمد بن ابی بکرایوب الزرعی(م751ھ/1350ء)''احکام أهل الذمۃ'' دارالکتب العلمیہ، بیروت،لبنان ،1423ھ/2002ء(م۔ن)ص39/1

(۴) التوبۃ 29:9

(۵) الشافعی،محمد بن ادریس،ابوعبداللہ(م 204ھ/ 819ء)'' الأم'' دارالمعرفۃ بیروت، لبنان، 1393ھ، ص176/4؛ مصنف مذکور" احکام القرآن"ص 236/1

(۶) ابوالکلام آزاد، ترجمان القرآن، اسلامی اکادمی اردو بازار، لاہور،ص122/2

(۷) الجصاص،احمد بن علی الرازی، ابوبکر، فقہ حنفی کے بہت بڑے عالم و فاضل فقیہ،مفسر بغداد میں رہے اور ادھر ہی انتقال ہوا(الزرکلی،الاعلام،ص171/1)

(۸) الجصاص،احکام القرآن، داراحیاء التراث العربی بیروت، 1405ھ،ص189/3

(۹) التوبۃ 29:9

(۱۰) ابو یوسف، م۔ن،ص253؛ الکاسانی ، ابوبکر بن مسعود،علاء الدین(م587ھ/ 1191ء) ''بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع'' دارالکتاب العربی، بیروت،لبنان،1982ءص111/7

(۱۱) ابو یوسف،م۔ن،ص253

(۱۲) اس سلسلے میں قاضی ابو یوسف کے الفاظ ہیں :و کذلك المغلوب علی عقله لاتوخذ منه ،ص254

(۱۳) ابن قدامۃ ،عبداللہ بن احمد المقدسی(م620ھ/1223ء) ''المغنی فی الفقه'' بیروت،لبنان، 1405ھ، ص270/9؛ نیز دیکھیے :ابن قیم ،م۔ن،ص48/1

(۱۴) ابن قدامۃ ،م۔ن،ص270/9

(۱۵) فقیر اس شخص کو کہتے ہیں جس کی آمدنی اس کی ضروریات کے لیے ناکافی ہو(الفقیر هوالذی له بعض مایکفیه) اسی طرح مسکین اسے کہتے ہیں جس کے پاس کچھ بھی نہ ہو(المسکین الذی لاشی له،(دیکھیے:

القرطبی، الجامع لأحکام القرآن، ص169/8)

(۱۶) ابو یوسف، م۔ن، ص253

(۱۷) ابن قیم، م۔ن، ص52/1

(۱۸) الترمذی، محمد بن عیسیٰ، ابو عیسیٰ(م 279ھ/ 892ء) الجامع الصحیح، دار احیاء التراث العربی، بیروت(س۔ن) کتاب الزکواۃ، باب ماجاء لیس علی المسلمین جزیۃ(ح/633) ص27/3

(۱۹) القرطبی، محمد بن احمد بن ابی بکر، ابوعبداللہ(م671ھ/1273ء) '' الجامع لأحکام القرآن'' دارالشعب القاہرہ، 1372ھ، ص169

(۲۰) ابو یوسف، م۔ن، ص253؛ ابن قدامۃ، م۔ن، ص272/9؛ ابن قیم، م۔ن، ص53/1 و مابعد

(۲۱) ابو یوسف، م۔ن، ص254؛ ابن قیم، م۔ن، ص54-55/1

(۲۲) ابن قیم، احکام اهل الذمۃ، ص60/1

(۲۳) الترمذی، محمد بن عیسیٰ، ابو عیسیٰ(م 279ھ/ 892ء) الجامع الصحیح، دار احیاء التراث العربی، بیروت(س۔ن) کتاب الزکواۃ، باب ماجاء لیس علی المسلمین جزیۃ(ح/633) ص27/3

(۲۴) ابن قیم، م۔ن، ص62/1

(۲۵) الانعام 164:6

(۲۶) ابن قیم، م۔ن، ص62/1

(۲۷) الطبری محمد بن جریر، ابوجعفر(م 310ھ/ 923ء)، تاریخ الأمم وملوك، مطبعۃ الحسینیۃ المصریۃ، القاہرہ(1336ء)، ص270/2

(۲۸) ابو یوسف، کتاب الخراج، ص283-282

(۲۹) بلاذری نے فتوح البلدان میں واضح طور پر لکھا ہے کہ ابوعبیدہؓ نے یہ جزیہ اهل حمص کو اس وقت واپس کیا تھا جب ہرقل کی فوجیں جنگ یرموک کی تیاری کر رہی تھیں۔ (دیکھیے کتاب مذکور، ص206)

(۳۰) السرخسی، محمد بن احمد بن ابی سھل، ابوبکر(م490ھ/1097ء) ''شرح السیر الکبیر'' دارالکتب العلمیۃ، بیروت، لبنان، 1417ھ/1997ء، ص292/5

(۳۱) الکاسانی، بدائع الصنائع، ص111/7

(۳۲) ابن قیم، م۔ن، ص46/1

(۳۳) الکاسانی، م۔ن، ص111/7

(۳۴) ابو یوسف، کتاب الخراج، ص456-455

(۳۵) الشافعی،الام،ص199/4

(۳۶) ابن قیم،احکام اھل الذمة،ص41/1

(۳۷) ابن قیم،م۔ن،ص41/1

(۳۸) الترمذی،الجامع الصحیح، کتاب الزکواۃ، باب ماجاء فی زکاۃ البقر (ح/623) ص20/3

(۳۹) ابوداؤد، سلیمان بن اشعث البجستانی (م275ھ/889ء) سنن ابی داؤد، دارالفکر، بیروت (س۔ن) کتاب الجھاد، باب فی اخذ الجزیۃ، (ح/3041) ص167/3

(۴۰) حلہ دویمنی چادروں پر مشتمل لباس (جوڑے) کو کہتے ہیں۔

(۴۱) ابن قیم،م۔ن،ص40/1

(۴۲) وہ آلہ جس سے اسلحہ (تلوار اور چاقو) وغیرہ تیز کیا جاتا ہے۔

(۴۳) ابن قیم،م۔ن،ص40/1

(۴۴) ابن قیم،م۔ن،ص63/1

(۴۵) ابن قیم،م۔ن،ص63/1

(۴۶) ابویوسف، کتاب الخراج،ص253؛ ابن قیم،م۔ن،ص63/1

(۴۷) ابوداؤد،م۔ن،کتاب الجھاد، باب فی تعشیر اھل الذمة اذا اختلفوا بالتجارات (ح/3051) ص170/3 نیز دیکھیے: ابویوسف، کتاب الخراج،ص258

(۴۸) حدیث کا متن ابو یوسف کی کتاب الخراج ص255 سے لیا گیا ہے۔ الفاظ کی کمی بیشی کے ساتھ یہ حدیث اور بھی کئی کتب میں بھی پائی جاتی ہے مثلاً: دیکھیے مسلم، الجامع الصحیح، کتاب البروالصلة و الآداب، باب الوعید الشدید لمن عذب الناس بغیر حق (ح/2613) ص2018/4؛ ابوداؤد، السنن، کتاب الجھاد، باب فی التشدید فی جبایة الجزیة (ح/3045) ص169/3؛ محمد بن حبان (م354ھ/965ء) صحیح ابن حبان، مؤسسة الرسالة بیروت (1414ھ/1993ء) ذکر تعذیب الله جل و علا فی القیامة من عذاب الناس فی الدنیا (ح/5612) ص426/12

(۴۹) ابویوسف،م۔ن،ص255

(۵۰) ابویوسف،م۔ن،ص254

(۵۱) الجرجانی، کتاب التعریفات،ص71؛ قلعہ جی، معجم لغة الفقھاء،ص194

(۵۲) الماوردی، علی بن محمد بن حبیب، ابوالحسن (450ھ/1058ء) "الاحکام السطانیة والولایات الدینیة" دارالکتب العلمیۃ، بیروت، لبنان، 1405ھ/1985ء، ص187

(۵۳) ابویوسف، کتاب الخراج،ص149؛ الماوردی،م۔ن،ص187

(۵۴) الماوردی، م۔ن، ص188

(۵۵) ابویوسف، م۔ن، ص87؛ الماوردی، م۔ن، ص189

(۵۶) تفصیل کے لیے دیکھیے: الماوردی، م۔ن، ص189

(۵۷) المرغینانی، علی بن ابی بکر، ابوالحسن (م 593ھ/ 1197ء) ''الهداية شرح بداية المبتدى'' المکتبۃ الاسلامیۃ، بیروت، لبنان (س۔ن)، ص158/2

(۵۸) المرغینانی، م۔ن، ص158/2

(۵۹) السرخسی، محمد بن احمد بن ابی سھل، ابوبکر (م490ھ/ 1097ء) ''اصول السرخسی'' تحقیق: ابوالوفاء الافغانی، دارالمعرفۃ، بیروت، لبنان، س۔ن، ص69/1

(۶۰) السرخسی، المبسوط، ص83/10؛ المرغینانی، الهداية، ص158/2؛ ابن الھمام، شرح فتح القدیر، ص38/6؛ ابن نجیم، البحر الرائق 117/5؛ ابن قیم، م۔ن، ص107/1

(۶۱) السرخسی، م۔ن، ص82/10

(۶۲) ابن قیم، م۔ن، ص106/1

(۶۳) قلعہ جی، معجم لغة الفقهاء، ص450-451

(۶۴) الماوردی، م۔ن، ص194

(۶۵) الماوردی، م۔ن، ص195

(۶۶) ایک برید = 22176 میٹر فاصلہ

(۶۷) الماوردی، م۔ن، ص194

(۶۸) قیراط ڈھائی سینٹی میٹر یا ہر چیز کا چوبیسواں حصہ یا جَو کے پانچ دانوں کے برابر وزن

(۶۹) السید البکری، اعانة الطالبين، دارالفکر، بیروت، ص150/2؛ البھوتی، کشاف القناع، ص229/2؛ القنوجی، صدیق بن حسن، دارالکتب العلمیۃ، بیروت، ص119/2

(۷۰) قلعہ جی، معجم لغة الفقهاء، ص450

(۷۱) قلعہ جی، م۔ن، ص212

(۷۲) الماوردی، الاحکام السلطانیۃ، ص195 ومابعد

(۷۳) قلعہ جی، م۔ن، ص450

(۷۴) الماوردی، م۔ن، ص198

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆